بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُجتہد:

اوصاف و شرائط

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر شعبہ عربی اورنٹیل کالج لاہور

اجتہاد ہمیشہ کی طرح عہد حاضر میں بھی اسلامی دنیا کا ایک اہم ترین مسئلہ اور دلچسپ موضوع بحث ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اجتہاد نہ صرف یہ کہ ایک شدید ترین ضرورت ہے بلکہ مسلمان قوم کی بیداری اور ترقی کا مفید ترین وسیلہ بھی ہے۔ اس کی اہمیت و افادیت اس کے لغوی معنی اور اصطلاحی مفہوم سے بھی عیاں ہے۔ اس کے معنی اور مفہوم سے ہی ایک ولولہ تازہ کا پیغام اور جوش عمل کی دعوت مترشح ہوتی ہے۔ یہ بات صبر و استقامت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے اور عزم و ہمت کے ساتھ جہدِ مسلسل کی بھی غماز ہے۔

لغت میں اجتہاد کے معنی ہیں، کسی کام میں انتہائی کوشش کرتے ہوئے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر دینا۔ اسلامی شریعت کی اصطلاح میں اجتہاد کا مفہوم یہ ہے کہ مآخذِ شرع کی روشنی میں کسی شرعی مسئلے کا حل معلوم کرنے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو اس طرح بروئے کار لانا کہ آگے مزید کوشش کی گنجائش باقی نہ رہے۔ ان معانی اور اس مفہوم کا تقاضا یہ ہے کہ مجتہد یا اجتہاد و استنباط کا فریضہ انجام دینے والا ایک نہایت اہم اور مفید کام انجام دیتا ہے اس لیے اُس میں کچھ شرائط اور کچھ اوصاف کا پایا جانا لازمی ہوگا

تاکہ وہ اس عظیم ذمّہ داری سے کماحقہٗ عہدہ برآ ہو سکے۔

اصل موضوع تک پہنچنے سے قبل بعض تمہیدی امور کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کیوں کہ ان امور سے نہ صرف یہ کہ موضوع کی اہمیت عیاں ہو گی بلکہ اسے سمجھنے میں بھی بہت مدد ملے گی۔ ان تمہیدی امور میں سرِفہرست وہ غلط فہمیاں ہیں جو ہمارے بعض دانشوروں کی مرہونِ منّت ہیں۔ یہ حضرات دانستہ یا نادانستہ طور پر تخلیط و ابہام کا شکار ہیں جس سے ہماری ملت کی فکری زندگی ایک گونہ ابتری اور الجھاؤ کی کیفیت سے دوچار ہے اور ذہنوں میں شک و بے اطمینانی اور اضطراب و بے چینی کا دور دورہ ہے۔

ان غلط فہمیوں میں سرِفہرست یہ غلط فہمی ہے کہ ہمارے یہ پراگندہ ذہن دانشور لفظ اجتہاد کے مفہوم و معنیٰ کو سمجھے بغیر اس موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہیں، وہ عموماً یہی سمجھتے ہیں کہ اجتہاد کے معنی ہیں کوشش کرنا اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی مسئلے پر آزاد رائے دینا اور بس یہیں سے غلطی کا آغاز ہو جاتا ہے اور اس غلط بنیاد پر جو عمارت کھڑی ہوتی ہے وہ بھی باطل اور غلط فہمیوں بلکہ غلطیوں کا مجموعہ ہوتی ہے، حالانکہ آزادانہ رائے دینے کا تو اجتہاد سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ آپ نے اگر رائے ہی دینا ہے تو دیجیے مگر اسے اجتہاد کا نام مت دیجیے۔ اس لیے کہ نصوصِ شرعیہ یا شریعت کے منابع و مصادر سے آزاد ہو کر کسی مسئلے پر سوچنا اور آزادانہ رائے کی بنیاد پر فیصلہ دینا شرعی اجتہاد کے ضمن میں آتا ہی نہیں۔ شرعی اجتہاد محض رائے زنی کا نام نہیں ہے بلکہ شرعی اجتہاد تو یہ ہے کہ جب کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کے بارے میں کوئی واضح شرعی حکم کتاب و سنت میں موجود نہیں تو مآخذِ شریعت کی چھان پھٹک کی جائے نظائر و امثال پر غور و فکر کیا جائے اور اس طرح محنت و کوشش صرف کرنے کے بعد جو حل سامنے آئے اسے شرعی اجتہاد کہا جائے گا، اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اجتہاد

مقصد محض اپنی رائے سے کوئی آزادانہ فیصلہ کرنا ہے یا نصوصِ شرعیہ سے ثابت شدہ احکام کو بدلنا یا ان کی من مانی تاویل کرنا اجتہاد ہے تو آپ سخت غلطی پر ہیں۔ یہ روش تحریف و تضلیل اور ہوس پرستی تو کہلا سکتی ہے مگر شرعی اجتہاد کہلانے کی ہرگز مستحق نہیں۔

اجتہاد کے سلسلے میں دوسری غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ شاید اجتہاد جیسی ڈائنمک تحریک کچھ مدت کے لیے اسلامی زندگی کے منظر سے بالکل غائب ہوگئی تھی یا بعض منکرین نے اسے موقوف و معطل کرنے کی جو رائے دی تھی اسے امت نے قبول کر لیا تھا جس کے بعد اجتہاد و استنباط کا عمل کسی دور میں کسی بھی سطح پر جاری نہ رہ سکا حالانکہ صورت حال یہ نہیں ہے۔ گزشتہ چودہ صدیوں کے دوران اگرچہ منکرین اجتہاد کا گروہ بھی قائم رہا اور اجتہاد کا دروازہ بند کرنے کے دعویٰ کا سلسلہ بھی جاری رہا مگر اس کے باوجود ہر دور میں کسی نہ کسی سطح پر اجتہاد و استنباط کا عمل جاری ہی رہا حتیٰ کہ عہدِ غلامی کی پستیوں اور پسماندگی کے باوجود بھی مسلم علماء نے نئے دور کے تقاضوں کے مطابق تازہ مسائل کے حل کے لیے شرعی استنباط اور فتاویٰ کا منصب بھی سنبھالے رکھا۔ سائنسی ایجادات نے جب زندگی کی روش بدل دی تو شریعت کے پاسبانوں نے امت کی صحیح رہنمائی کا سامان کرنے کا کام بھی جاری رکھا۔ جب ریل اور ہوائی جہاز میں ادائے نماز کے مسائل پیدا ہوئے تو ظاہر ہے ان ایجادات کی مناسبت سے واضح حکم موجود نہ تھا مگر اشارات و نظائر موجود تھیں۔ سفر میں نماز قصر، میدان جنگ میں صلوٰۃ الخوف اور حج کے موقع پر جمع بین الصلاتین کی نظائر کی روشنی میں اجتہاد و استنباط کی بنیاد پر فتاویٰ جاری کئے گئے۔ خطبہ و اذان میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کا سوال اٹھا تو عہد نبوت میں لوگوں تک آواز پہنچانے کے لیے مشروعیتِ اذان

اور منبر کی ایجاد کی نظیریں کام آئیں اور علماء نے فتویٰ دیا کہ لاؤڈ سپیکر سے چوں کہ مقصود نمازیوں تک آواز پہنچانا ہے تاکہ وہ فریضہ صلوٰۃ سہولت کے ساتھ ادا کر سکیں اس لیے اس مقصد کے لیے لاؤڈ سپیکر کا استعمال بھی جائز ہے۔

لیکن جب سود خوری کو حلال قرار دینے اور دیگر مسلمات شرعیہ کو منہدم کرنے کی مذموم حرکت اور سعی نامشکور شروع ہوئی تو ان مسلم علماء نے اس تحریف و ہوس پرستی کو اجتہاد تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ نام نہاد روشن خیال اور ترقی پسند دانشور انہیں تنگ نظر اور رجعت پسند ہونے کا طعنہ بھی دیتے رہے اور اجتہاد کے دروازے چوپٹ کھول دینے کا دعویٰ بھی کرتے رہے مگر اہلِ علم و تقویٰ نے یہ مذموم تحریک کامیاب نہ ہونے دی۔

ایک وقت ایسا آیا جب داخلی خلفشار اور فتنہ و فساد نے اسلامی معاشرے کو کھوکھلا کر دیا تھا۔ اجتہاد و استنباط کے نام پر افتراق اور گروہ بندی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی سامراجیوں نے ضعیف و ناتواں، پسماندہ اور غفلت میں اونگھتے ہوئے مسلمانوں کو دبوچ لیا تھا جس کے نتیجے میں مسلمانوں نے گھبرا کر میدانِ عمل سے فرار کی راہ اختیار کر لی تھی۔ وہ ہر شے اور ہر بات کو خوف، شک اور ہچکچاہٹ کی نظر سے دیکھتے تھے اس لیے جہاں وہ تجدید و اجتہاد سے محروم و بیزار ہو گئے تھے وہاں وہ مغرب سے آنے والی ہوا کے ہر جھونکے سے بدک جاتے تھے۔ انگریزی زبان تک پڑھنے کو دین سے برگشتگی کی علامت تصور کرنے لگے تھے۔ مفید جدید افکار اور تہذیبی اطوار سے بھی گریزاں تھے اور سائنسی علوم اور جدید ایجادات و وسائل سے بھی خوف زدہ تھے اس لیے کہ وہ شکست خوردہ ذہن رکھتے تھے مگر جیسے ہی مریض کو سنبھالا دیا گیا، مصلحین وقت نے امت کو ہوش

میں لاکر حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لیے تیار کر لیا چنانچہ خوف اور ہچکچاہٹ کی کیفیت بھی ختم ہو گئی۔ سائنسی علوم کو بھی قبول کر لیا گیا اور تجدید و اجتہاد کا راستہ بھی اہل علم و تقویٰ کے لیے حسب معمول کھلا ہی رہا۔

اسلام کا نہ تو سائنسی علوم سے کوئی تصادم ہے اور نہ وہ انسانی فکر و تہذیب کی ترقی کا مخالف ہے بلکہ اسلام تو جہاں علم و سائنس کی راہوں پر گامزن ہونے کی پُرزور دعوت و تلقین کا علمبردار ہے وہاں اس اندھی اور جامد تقلید کا بھی مخالف ہے جس کا اللہ کے پیغام اور حجت و دلیل کے ساتھ کوئی واسطہ نہ ہو اور جو انسانوں سے فکر و تدبر اور غور و خوض کی قوتیں سلب کر لینے کی قائل ہو۔ قرآن مجید انفس و آفاق میں فکر و تدبر کی دعوت دیتا ہے۔ اہل عقل و اولی الالباب کو جھنجھوڑتا ہے اور فکر و بصیرت سے اعراض کرنے والوں سے کہتا ہے: افلا یتدبرون القرآن ام علیٰ قلوب اقفالہا؛ کیا یہ قرآن میں فکر و تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوتے ہیں؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، الحکمۃ ضالۃ المؤمن ایںما وجدھا اخذھا او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم:

کہ حکمت و دانش تو مومن کی گم گشتہ میراث ہے۔ اسے جہاں ملے گی لے لے گا۔ مگر سب سے پہلے سوچنے کی بات یہ ہے کہ کوئی بات حکمت و دانش ہے بھی یا نہیں یا محض فتنہ و فساد کو حکمت و دانش اور ہر پتھر کو موتی تصور کر لیا گیا ہے، جب یہ بات یقین کے ساتھ پایہ ثبوت کو پہنچ جائے کہ فلاں بات حکمت اور موتی ہے تو پھر مسلمان اسے قبول کرنے میں کبھی پس و پیش نہیں کرے گا۔ اس حقیقت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ روم اور یونان کے تہ خانوں میں مقفل و مقید سائنسی علوم کو رہائی دلانے اور محفوظ کر کے ترقی دینے والے مسلمان ہی تھے، اس کے

علاوہ یہ حقیقت بھی ہے کہ اسلام کی تاریخ میں کبھی بھی سائنسی تحقیق کی مخالفت نہیں کی گئی بلکہ عہدِ نبوت سے لے کر بعد کے تمام ادوار میں سائنسی علوم کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کی گئی ہے. کسی عہد میں مسلمانوں نے کسی مفکر یا سائنس دان کو محض اس لیے سولی پر نہیں چڑھایا کہ وہ سائنسی ترقی نئے نئے سائنسی تجربات وایجادات یا نظریات کی تخلیق میں لگا ہوا ہے۔

اسلام نے رہن سہن کے سادہ اور فطری آداب پر کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی نہ اسلام نے مسلمانوں کو کسی ایک مخصوص لباس کا پابند بنایا ہے۔ آب وہوا اور مقامی ضرورت کے مطابق ہر خطے کے مسلمانوں کو اپنا مناسب لباس اپنانے کی اجازت ہے۔ آج بھی بین الاقوامی اسلامی اجتماعات میں لباس کا تنوع واختلاف اسلام کی اس وسعتِ نظر کا غماز نظر آتا ہے تاہم اسلام اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ محض فیشن پرستی کو روشن خیالی کا نام دے دیا جائے یا ایک مخصوص وضع وقطع اور لباس کو سائنس دان ہونے کی علامت تصور کر لیا جائے اور حقائقِ دین یا مکارمِ اخلاق کی تضحیک وتمسخر اڑانے کو سائنس کی معراج سمجھ لیا جائے۔ کوٹ پتلون اور نکٹائی کا روشن خیالی یا سائنس سے کوئی تعلق نہیں اس طرح شلوار قمیض یا اسلامی وضع قطع سائنسی ترقی یا تجربات کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ مشرقی لباس یا اسلامی وضع قطع دیکھ کر سائنسی لیبارٹری کرنٹ کبھی نہیں مارے گی۔ بات صرف اتنی ہے کہ اگر آپ کائنات کی گہرائیوں میں اتر کر اسرار وحقائق کا انکشاف کرتے ہیں یا سمندروں اور پہاڑوں کا سینہ چیر کر انسانیت کی بھلائی اور سربلندی کا سامان کرتے ہیں تو آپ صاحبِ کرامات مردِ مومن ہیں اور سائنس کے میدان میں مجتہد ہیں۔ اس اجتہاد سے نہ اسلام نے آپ کو روکا ہے نہ کوئی آپ کو روک سکیگا۔

اجتہاد کے ضمن میں تیسری غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ شاید آزادانہ اجتہاد کی حدود اتنی وسیع ہیں کہ تمام مسلّمات شریعت بھی اس کی زد سے باہر نہیں۔ کتاب وسنت کی واضح نصوص قطعیہ کی بنیاد پر ثابت شدہ شرعی احکام جو چودہ صدیوں سے تواتر و تسلسل کے ساتھ تمام امت کا متفقہ معمول چلے آتے ہیں مگر آج کی چشم کج نگاہ اور پست ہمت دلوں کو فرسودہ یا مشکل نظر آتے ہیں ان میں ہیر پھیر یا بنیادی تبدیلی کیلئے اجتہادی قوتیں صرف کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ سرمایہ پرست ذہنیت اور سود خور صہیونیت نے سودی نظام معیشت کا جو ہولناک بین الاقوامی جال پھیلا رکھا ہے اس میں الجھی ہوئی دکھی اور مجبور و مقہور انسانیت کو نجات دلانے اور نکالنے کے بجائے اسے اس میں کراہتے اور تڑپتے رہنے کا فتویٰ دے دیا جائے اور ناموں کے ہیر پھیر سے سود کو حلال قرار دے دیا جائے یا مثلاً نئی تہذیب کے نتیجے میں اختلاط مرد و زن، عریانی، بے راہ روی اور فحاشی کے جس سیلاب بلا نے انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اس کا رخ موڑنے اور اُسے بے اثر کر کے پاکیزگی و طہارت کا حامل پرسکون معاشرہ تشکیل دینے کی کوشش کے بجائے آزادی نسواں کے خوشنما نام پر کوئی روشن دماغ مجتہد یہ فتویٰ صادر فرما دے کہ بندگان خدا کو اس کی غلاظت و عفونت کی دلدل میں پھنسا رہنے دو اور سب کو اس کی ہلاکت و تباہی کی نذر ہونے دو۔ یا مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر شعائر اسلامی کو کوئی ایسا رنگ دیا جائے یا کوئی ایسی توجیہ نکالی جائے جس سے نام نہاد روشن زمانے کی ترقی معکوس کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرے کی اخلاقی اقدار، ثقافتی روایات اور معاشرتی آداب کا بھی دیوالہ نکل جائے اور مسلمان بھی لولی لنگڑی مادیت کے ستائے ہوئے انسانوں کا ہمسر و ہم رنگ بلکہ ہم پیالہ و ہم نوالہ بن جائے۔

یہ تو بالکل درست اور مسلّم ہے کہ اسلام میں اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کی طرح آج

بھی کھلا ہے۔ گزشتہ چودہ صدیوں کے دوران مخالفت کے باوجود اجتہاد کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا۔ کسی نہ کسی سطح پر اجتہاد مسلسل جاری رہا ہے، کبھی اجتہادِ مطلق کے درجے ہیں، کبھی اجتہاد جزئی کی شکل میں اور کبھی اخذ و استنباط کی بنیاد پر فتاویٰ جاری کرنے کی صورت میں اسلامی اجتہاد کا سلسلہ جاری رکھا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ الجہاد ماض الی یوم القیامۃ کہ جہاد تو قیامت تک جاری رہے گا تو جس طرح قیامت تک مردِ مومن کا جہاد جاری ہے اسی طرح امت میں اجتہاد بھی جاری ہے اور جاری رہے گا۔

لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ جس طرح جہاد کے لئے کچھ تربیت اور اسلحہ درکار ہوتا ہے۔ اسی طرح اجتہاد کے لئے بھی بعض شرائط اور آداب ہونے چاہئیں جن کا جاننا اور ان سے متصف ہونا لازم ٹھہرے۔ اس میں شک نہیں کہ اجتہاد کا دروازہ آج بھی ہمیشہ کی طرح کھلا ہے جس سے ہر وہ شخص داخل ہو سکتا ہے جو اس کا اہل اور حقدار ہو مگر یہ بات کسی کو زیب نہیں دیتی کہ وہ اس دروازے سے ننگے سر ننگے پاؤں اور میلے کچیلے لباس کے ساتھ ہی گھسا چلا آئے اور اجتہاد کی سعیٔ نامشکور فرمانے لگے۔ وہ اجتہاد کے آداب اور شرائط سے آگاہ ہو یا نہ ہو، اس کا مبلغ علم خواہ کچھ ہی ہو، وہ کلمہ طیبہ اور بسملہ کا بھی صحیح تلفظ اور املاء جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ شریعت کے مآخذ سے آزادانہ استفادہ کرنے کے قابل ہو یا نہ ہو لیکن آزادانہ اجتہاد کرنے کے لئے ضرور تیار ہو! اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ مآخذ شرع کی روشنی میں اجتہاد کرنے والا مطلوب نہیں بلکہ نیا اسلام گھڑنے والا آزاد خیال مجتہد مطلوب ہے۔ دوسرے لفظوں میں شریعت پر عمل کی راہ ہموار کرنے والا مجتہد درکار نہیں بلکہ اس کے بجائے اسلام کو بدلنے والے ملحد کی تلاش ہے۔ حالانکہ اسلامی دنیا عصر حاضر کے ملحد کی متحمل نہیں ہو سکتی اسے تو مجتہد کی ضرورت ہو سکتی ہے، ایک ایسا مجتہد جو اسلامی شریعت کی صلاحیت، برتری

اور حقانیت ثابت کر سکے جو مسلمانوں کی ذہنیت بدل کر رکھ دے سوچ کے دھارے بدل دے ، اسلام کی کامیابی کی راہیں روشن کر دے اور اسلام کو بدلنے کے بجائے مسلمانوں کو بدلے۔ یہ امت ایک مجتہد سے زیادہ ایک مجدد کی محتاج ہے جو قلبِ مومن کو ایمان و ایقان میں پختہ تر کر سکے۔ ہماری اصل مشکل اجتہاد نہیں تجدید ہے۔ رہا اجتہاد و استنباط تو وہ تو امت میں کبھی بند نہیں ہوا۔ مجتہد سے کوئی زمانہ خالی نہیں ہو سکتا جو کتاب و سنت کی روشنی میں امت کو درپیش نئے مسائل کا حل پیش کرتے رہے ہیں۔ لیکن آزادانہ اجتہاد سے کتاب و سنت کے احکام کو بدلنے یا تحریف کرنے والے کی گنجائش نہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے امت مسلمہ سے باہر کی دنیا وسیع ہے وہاں اپنی جولانیاں دکھا سکتے ہیں۔ اسلام میں تو اس تحریف و تلبیس کو نہ کبھی برداشت کیا گیا ہے اور نہ کیا جائے گا۔ نصوصِ شرعیہ سے آزاد ہو کر محض ذاتی رائے سے حلال کو حرام، حرام کو حلال یا خوب کو ناخوب کا فتویٰ دینا ہوس پرستی اور اسلام دشمنی تو ہو سکتی ہے اسلامی اجتہاد ہرگز نہیں ہو سکتا۔

ہو سکتا ہے مجھے بھی رجعت پسندی یا متشددانہ موقف رکھنے والے کے القاب سے نوازا جائے لیکن مجھے اس کی پروا نہیں۔ مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ جو کچھ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا یا جو کچھ زبانِ رسالت سے ادا ہوا اس کی حکمت و اہمیت کور چشموں کو سمجھ آئے یا نہ آئے۔ آج نہیں تو کل منکرین کی عقل کے تالے کھل جائیں گے اور وہ احکامِ قرآن کو اجتہاد سے بدلنے پر نادم اور شرمندہ ہوں گے۔ جب ان پر حقیقت منکشف ہو گی تو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہیں گے۔ صرف ایک مثال پیش کر کے آگے بڑھنے کی اجازت چاہوں گا۔ قرآن کریم نے سود خوری کو استحصال و استغلال کی بدترین صورت اور لعنت و نحوست کی قبیح ترین

علامت کے طور پر بڑی شدت کے ساتھ حرام قرار دیا مگر صیہونیت و زر پرستی کے
پھیلائے ہوئے جال کا معاشی نظام جب ساری انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے چکا۔
تو آزادانہ اجتہاد کے داعی دانشور سود کو مختلف ناموں اور تاویلوں سے حلال قرار
دینے پر تل گئے مگر جب کارل مارکس اور اس کی معنوی اولاد نے بھی سود خوری کو انسانی
معاشرے کی پیشانی کا بدنما داغ قرار دے دیا تو وہ کمیونزم کے اس تصور
پر عش عش کر اُٹھے حالانکہ اللہ کی کتاب نے سود کو حرام، خدا کی لعنت اور شیطانی نشہ
قرار دیا تو اسے دقیانوسی خیال تصوّر کرتے ہوئے آزادانہ اجتہاد سے بدلنے کے لئے
بے قرار تھے۔ اس لئے میری گذارش اتنی ہے کہ باقی احکام قرآنی و نبوی کو بھی
اسی پر قیاس کیا جائے اور آزادانہ اجتہاد سے انہیں بدلنے والوں کا معاملہ اللہ
پر چھوڑ دیا جائے۔

اس سلسلے کی چوتھی غلط فہمی یہ محسوس ہوتی ہے کہ شاید اسلامی معاشرے کا ہر فرد
بلا قید و تخصیص ہر ایک معاملے میں اجتہاد کا حق رکھتا ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ پہلی تین
غلط فہمیوں کے ازالے کے سلسلے میں جو گذارشات پیش کی جا چکی ہیں وہ کافی ہیں
البتہ ضمنی طور پر اس آخری اور چوتھی غلط فہمی کے ازالے کے سلسلے میں بھی کچھ اشارات
ضروری ہیں۔ تاہم اس مقالے کا بنیادی مقصد اس غلط فہمی کا ازالہ کرنا ہے اور یہ بتانا
ہے کہ فقہ اسلامی کے نازک ترین بلکہ مشکل ترین میدانِ اجتہاد میں داخل ہونے کے لئے
کچھ اوصاف و آداب اور کچھ شرائط موجود ہیں۔ ہر فردِ امّت کے لئے اس میدان میں قدم
رکھنا نہ تو آسان ہے اور نہ یہ ممکن و ضروری ہے کیوں کہ قرآن مجید جس طرح اسلامی
معاشرے میں اصلاح و تبلیغ کے لئے ایک جماعت کی تیاری کا حکم دیتا ہے اسی طرح
تفقہ فی الدین کے لئے بھی ایک گروہ کی تیاری کا فرمان موجود ہے: فلولا نفر

من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون۔ یعنی اگر ایسے ہوتا کہ ہر معاشرۂ اہل اسلام میں سے ایک گروہ ایسا ہوتا جو تفقہ فی الدین کی صلاحیت پیدا کرتا اور پھر واپس جا کر اپنی قوم کو ڈراتا تاکہ وہ احتیاط سے کام کر سکیں۔

مجتہد کے اوصاف و آداب اور شرائط سے بحث کا آغاز کرنے سے پہلے مختصراً اس بات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اصول فقہ کی رو سے تین مقامات ایسے ہیں جہاں اجتہاد ممکن نہیں گویا وہ محلِ اجتہاد ہی نہیں اور وہ یہ ہیں:

۱۔ ایسے واقعات و احوال جن کے متعلق کتاب و سنّت میں قطعی اور واضح احکام موجود ہیں جیسے سود کی حرمت، محرمات سے نکاح کی ممانعت وغیرہ۔

۲۔ ایسے واقعات و احوال جن کے متعلق قطعی احکام قرآنی موجود ہیں مگر ان کی تفسیر و توضیح سنّت سے ہو گئی ہے جیسے نمازِ پنجگانہ اور مناسک حج وغیرہ۔

۳۔ ایسی عقوبات و سزائیں جنہیں حدود اللہ کہا گیا ہے اور ان کے متعلق کتاب اللہ میں واضح و قطعی احکام موجود ہیں۔ جیسے حدِ قذف، حدِ زنا اور حدِ سرقہ وغیرہ۔

چار مقامات ایسے ہیں جہاں اجتہاد ممکن ہے گویا وہ محلِ اجتہاد ہیں اور وہ یہ ہیں:

۱۔ ایسے احوال و واقعات جن کے متعلق کتاب اللہ اور سنّت متواترہ میں کوئی واضح اور قطعی حکم سرے سے ہے ہی نہیں۔

۲۔ ایسے واقعات و احوال جن کے متعلق ایسی احادیث ملتی ہیں جو قطعی الثبوت تو ہیں مگر واضح الدلالہ نہیں۔

۳۔ ایسے واقعات واحوال جن کے متعلق ایسی احادیث ملتی ہیں جو واضح الدلالۃ تو ہیں مگر قطعی الثبوت نہیں۔

۴۔ ایسے واقعات واحوال جن کے متعلق وارد ہونے والی حدیثیں نہ تو قطعی الثبوت ہیں اور نہ واضح الدلالہ ہیں۔

متقدمین اور متأخرین ماہرینِ اصولِ فقہ نے مجتہد کے لئے جن اوصاف و شرائط سے متصف ہونا لازمی ٹھہرایا ہے وہ مقصد اور مآل کے نقطۂ نظر سے متفق ہیں۔ اگرچہ اجمال اور تفصیل کا اختلاف ممکن ہے۔ متقدمین اکثر ان اوصاف و شرائط پر اجمالی نظر ڈالتے رہے ہیں۔ جبکہ متاخرین علمائے اصولِ فقہ نے ان پر تفصیلی انداز میں نظر ڈالی ہے۔ متقدمین میں امام غزالی، الآمدی اور ابن حزم ظاہری کو علم اصولِ فقہ میں امامت اور قیادت حاصل ہے۔ امام غزالی نے مجتہد کے لئے اجمالی طور پر دو شرائط بیان کی ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ مجتہد شریعت کے مآخذ و مدارک کا مکمل احاطہ و استیعاب رکھتا ہو اور اس قابل ہو کہ غور و فکر سے ظنی دلائل کی بنیاد پر مسائل کا حل نکال سکے۔ ساتھ ہی اہمیت کے لحاظ سے جو بات مقدم ہونے کا حق رکھتی ہے اسے مقدم اور جو مؤخر ہونے کا حق رکھتی ہے اسے مؤخر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ وصفِ عدالت سے متصف ہو۔ اور ان گناہوں سے اجتناب کرتا ہو جو وصفِ عدالت کے لیے نقص و عیب کا باعث ہوتے ہیں تاہم امام غزالی یہ صراحت بھی کرتے ہیں کہ وصفِ عدالت سے متصف ہونا قبولِ فتویٰ اور عامۃ المسلمین کے اعتماد کے لیے شرط ہے۔ مجتہد کے اجتہاد کی صحت کے لیے شرط نہیں ہے۔

ان دو اجمالی شرائط کے ذکر کے بعد امام غزالی نے پہلی شرط کے اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مدارک و مآخذ شریعت کی معرفت کے لیے آٹھ علوم کو بنیادی وسیلہ

قرار دیا ہے (جو شریعت کے مآخذ اربعہ یعنی کتاب اللہ، سنّت رسول اللہ، اجماع اور قیاس جسے غزالی نے لفظ عقل سے تعبیر کیا ہے) کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ ان علوم میں سے دو کو مقدمہ یا تمہیدی علوم کی حیثیت حاصل ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔ دلائل قائم کرنے کا علم یعنی شرعی مسائل کے حل میں کن دلائل سے کس طرح کام لیا جائے گا۔ وہاں دلائل کی تین قسمیں بیان کرتے ہیں۔ عقلی، شرعی اور وضعی۔

۲۔ دوسرا تمہیدی علم ہے معرفت زبان عربی اور اس کے اصول و قواعد، مذکورہ آٹھ علوم میں سے دو کو اختتامی یا تکمیلی علوم کا درجہ حاصل ہے جن میں سے ایک کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ میں ناسخ و منسوخ کا علم ہے۔ یہ علم مجتہد کے لئے بے حد ضروری ہے کیوں کہ جب تک تقدیم و تاخیر کا علم نہ ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ کونسا حکم ناسخ ہے اور کونسا منسوخ، اس وقت تک مجتہد کے لئے کسی صحیح نتیجے پر پہنچنا ممکن نہیں۔ دوسرا تکمیلی علم سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے متون و اسناد کی صحیح معرفت ہے جس کے ذریعہ مقبول و مردود اور فاسد و صحیح میں تمیز کرنا ممکن ہو سکتا ہے۔ جو چار علوم وسائط کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ ذات و صفات باری تعالیٰ کا علم معرفت۔

۲۔ کائنات کی حقیقت کا علم یعنی یہ کہ یہ کائنات نو پید ہے اور ایک خالق کی تخلیق کا اعجاز ہے۔

۳۔ معرفتِ صداقتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۴۔ طُرقِ کلام کا علم۔

مآخذ شریعت کی معرفت کے لئے امام غزالی یہ کافی سمجھتے ہیں کہ مجتہد کو کتاب اللہ

کی وہ پانچ سو آیات معلوم ہوں جو احکام شریعت کے متعلق ہیں۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں بھی احکام سے متعلق احادیث کا ازبر ہونا ضروری نہیں بلکہ اتنا معلوم ہونا کافی ہے کہ فلاں مسئلے کے متعلق فلاں مقام پر حدیث نبوی موجود ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ مجتہد کے پاس احکام سے متعلق احادیث کا ایک صحیح مرتب مجموعہ موجود ہو۔ مجتہد کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ کون کون سے مسائل ہیں جن پر اجماع ہو چکا ہے تاکہ اپنے اجتہاد میں اجماع کی مخالفت کا مرتکب نہ ہو۔

ابن حزم الظاہری نے مجتہد کی اقسام اور درجات سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عند اللہ اجتہاد کرنے والا دو حیثیتوں میں سے ایک حیثیت کا مالک ضرور ہو گا یا تو وہ صحت و صواب کا مالک ہو گا اور مصیب کہلائے گا اور یا غلطی و خطاء کا حامل ہو گا۔ اور مخطیٔ کہلائے گا یعنی خطاوار، البتہ مآل کے لحاظ سے وہ خطاوار مجتہد کے دو درجے بتاتا ہے ایک ایسا خطاکار جو عند اللہ معذور ہے۔ اجتہاد میں وہ نیک نیت ہوتا ہے خواہ اس کا اجتہاد غلط ہی ہو۔ دوسرا خطاکار مجتہد غیر معذور ہوتا ہے اور یہ وہ مجتہد ہے جو جانتے بوجھتے ہوئے غلطی کا ارتکاب کرتا ہے یعنی اس کی نیت ہی نیک نہیں ہوتی۔ اجر کے لحاظ سے بھی وہ مجتہد کی دو قسمیں بیان کرتا ہے۔ ایک ایسا مجتہد جو مصیب ہے اور اسے دوگنا اجر ملتا ہے، ایک اجتہاد کرنے کا دوسرا درستی اور صحت کا، دوسری قسم وہ مجتہد ہے جو خطاکار ہے مگر اجتہاد میں نیک نیّت ہونے کے سبب صرف اجتہاد کرنے کا اجر پاتا ہے۔ ابن حزم اجتہاد کی اہمیت کے ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کرتا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں: "من اجتهد واصاب فله اجران ومن اجتهد واخطأ فله اجر واحد" کہ جس نے اجتہاد کیا اور صحیح نتیجے پر پہنچا تو اسے دوگنا اجر ملے گا اور جس نے اجتہاد کیا

اور غلطی کی تو اسے صرف ایک گونہ اجر ملے گا۔ یہاں سے ابن حزم ہر مسلمان کے لیے اجتہاد لازم ٹھہراتا ہے اور تقلید کرنے والوں کو گنہگار اور قابل مذمت قرار دیتا ہے۔

علامہ الآمدی نے بھی مجتہد کے لیے دو اجمالی شرائط بیان کی ہیں، پہلی شرط کا تعلق عقائد سے ہے جس میں وہ مجتہد کے لیے وجود باری تعالیٰ کا علم، اس کی صفات کمالیہ پر ایمان اور منصب رسالت کی تصدیق کو لازم ٹھہراتے ہیں۔ دوسری شرط کا تعلق مجتہد کے علم سے ہے، یعنی مجتہد کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ شریعت کے احکام، ان کی اقسام، دلائل، اور مراتب و شروط سے آگاہ ہو، اسے تحصیلِ احکام کی کیفیت معلوم ہونی چاہیے۔ تحریر و تقریر کے ذریعے احکام پر وارد ہونے والے اعتراضات کا جواب دے سکے۔ راویانِ حدیث کی جرح و تعدیل سے واقف ہو صحیح و غیر صحیح حدیث میں امتیاز کر سکے۔ اسبابِ نزول، ناسخ و منسوخ اور عربی لغت و نحو کا عالم ہو۔ تاہم الآمدی کے نزدیک یہ شرائط اس مجتہد کے لیے ہیں جسے اصولِ فقہ میں مجتہد مطلق یا مجتہد کامل کہا جاتا ہے۔ امام غزالی کی طرح الآمدی بھی اجتہاد میں تجزی کا قائل ہے یعنی مجتہد کے لیے یہ لازم نہیں کہ وہ ہر مسئلے پر اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہو بلکہ وہ شریعت کے خاص شعبے کے مسائل میں اجتہاد پر قادر ہو تب بھی کافی ہے مگر وہ مجتہدِ مطلق یا کامل نہیں کہلائے گا۔ بلکہ مجتہد جزئی کہلائے گا۔

متقدمین و متاخرین اور جدید دور کے ماہرینِ اصولِ فقہ کے افکار کی روشنی میں مجتہد کے لیے جن اوصاف و آداب اور شروط و لوازمات سے متصف ہونا ضروری ہے ان کی مجموعی تعداد بارہ بنتی ہے۔

ان میں سے پہلی شرط اسلام و ایمان ہے گویا شریعت کے احکام میں اجتہاد کے لیے یہ لازمی شرط ہے کہ مجتہد دین اسلام پر ایمان کامل سے مزین ہو، دوسری شرط

عدالت وتقویٰ ہے مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان عیوب ونقائص سے بری ہو جو وصف عدالت اور تقویٰ کے لیے نقصان دہ ہیں۔ تیسری شرط یہ ہے کہ مجتہد عربی زبان کا عالم ہو، تاکہ قرآن وحدیث کی شرعی نصوص کا صحیح ادراک کر سکے۔ عربی زبان وادب اور اسلوب بیان پر گہری نظر کے علاوہ اسرار بلاغت سے بھی پوری طرح واقف ہو۔ تاہم اس میں یہ لازم نہیں کہ وہ عربی زبان کی مہارت کے سلسلے میں سیبویہ اور خلیل کے درجے کا امام لغت ونحو ہو بلکہ بقدر ضرورت اتنا معلوم ہو کہ کلام عرب میں اسلوبِ تخاطب اور انداز بیان کن کن معانی اور الوان کا حامل ہو سکتا ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ کا علم رکھتا ہو، اس کے لغوی معنی اور شرعی مفہوم سے آگاہ ہو، امام شافعی کے نزدیک تو مجتہد کو تمام قرآن حفظ ہونا چاہیے۔ لیکن اکثریت کی رائے یہ ہے کہ صرف اتنا کافی ہے کہ احکام شریعت سے متعلق پانچ سو آیات کا علم رکھتا ہو۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ مجتہد کو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل ہو۔ ان قولی، فعلی اور تقریری احادیث کا علم رکھتا ہو جن میں شریعت کے احکام وارد ہوئے ہیں۔ ان احادیث کے معانی ومقاصد سے پوری طرح آگاہ اسناد ومتون کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھتا ہو، اس کے پاس احکام سے متعلق احادیث کا صحیح مجموعہ موجود ہونا چاہیے مثلاً صحاح ستہ کے علاوہ معانی الآثار للطحاوی اور منتقی الاخبار لابن تیمیہ کا موجود ہونا کافی ہے۔

مجتہد کے لیے چھٹی شرط یہ ہے کہ وہ اجماع واختلاف کے مواقع سے آگاہ ہو مجتہد کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کون کون سے مسائل ہیں جن میں سلف صالح کا اجماع ہو چکا ہے تاکہ اس اجماع کی مخالفت سے بچ سکے جیسے اصولِ فرائض، اصولِ وراثت اور محرمات وغیرہ کے بارے میں سلف صالح کا اجماع موجود ہے۔ اس طرح مجتہد

کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کون سے مسائل ہیں جن میں سلف صالحین کا اختلاف تھا! امام شافعی اس اختلاف و اجماع کی معرفت پر بہت زور دیتے ہیں - اس موضوع پر علامہ ابن رشد کی بدایۃ المجتہد، ابن قدامہ کی کتاب المغنی اور امام ابن تیمیہ کے فتاویٰ بہت کارآمد معلومات کی حامل ہیں۔

ساتویں شرط یہ ہے کہ مجتہد قیاس کے اصول سے پوری طرح آگاہ ہو، امام شافعی تو قیاس کو ہی اجتہاد کا نام دیتے تھے - وہ فرماتے ہیں: الاجتہاد ھو العلم باوجہ القیاس وطرائقہ: یعنی اجتہاد در اصل قیاس کی وجوہات اور طریقوں کے علم کا نام ہے۔ مشہور فقیہ علامہ الاسنوی قیاس کو قاعدۃ الاجتہاد اور الموصل الی التفاصیل قرار دیتے ہیں - اس کے لیے لازم ہے کہ مجتہد واقعات و معاملات زندگی کے علم کے علاوہ مندرجہ ذیل باتوں کا بھی علم رکھتا ہو - اُسے:

۱ - ان علل و اسباب کا علم ہو جو نصوص شرعیہ کے لیے حکمت اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔

۲ - قیاس کے تمام قوانین و ضوابط کی معرفت حاصل ہو۔

۳ - یہ بھی علم رکھتا ہو کہ کتاب و سنت میں حکم موجود نہ ہونے کی صورت میں سلف صالح کا طریقہ اجتہاد کیا تھا۔

آٹھویں شرط یہ ہے کہ مجتہد احکام شریعت کے مقاصد اور حکمتوں سے واقف ہو مثلاً یہ علم ہو کہ شریعت کی حکمت یہ ہے کہ انسانیت کی مصلحت ملحوظ ہو اور رحمت و سہولت سے کام لیا جائے - اسلامی شریعت میں حرج اور تنگی نہیں ہے - امام شاطبی نے مقاصدِ شرع کو سمجھنے پر بہت زور دیا ہے وہ کہتے ہیں: فہم مقاصد الشرع ھو العلم الذی یبنی علیہ الاجتہاد کہ مقاصدِ شریعت کا فہم وہ علم ہے جس پر اجتہاد کی عمارت کھڑی ہوتی ہے - چنانچہ وہ اجتہاد کی دو بنیادیں تسلیم کرتے ہیں ایک فہمِ مقاصدِ

شرع اور دوسرے احکام کے استنباط کی قدرت حاصل ہونا

مجتہد کے لیے نویں شرط یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں ناسخ و منسوخ کا علم رکھتا ہو، یہ بہت ہی ضروری شرط ہے کیوں کہ منسوخ آیات و احادیث اجتہاد کی بنیاد ہی نہیں بن سکتیں۔ دسویں شرط یہ ہے کہ اجتہاد کرنے والا فنِ اصولِ فقہ کا بھی کامل علم رکھتا ہو۔ کیوں کہ احکام کے سمجھنے اور استنباط کرنے کے لیے علم اصول فقہ بے حد مفید ہے۔ گیارہویں شرط کو صحت فہم اور حسنِ اندازہ کا نام دیا گیا ہے صحیح بات کو صحیح اور غلط کو غلط سمجھنا کھرے اور کھوٹے کا بخوبی اندازہ کرنا ایسے اوصاف ہیں جو مجتہد کو درست نتائج تک پہنچنے میں بہت مدد دیتے ہیں۔ بارہویں شرط کو صحتِ نیت اور سلامتِ اعتقاد کا نام دیا جاتا ہے۔ نیت کی درستی پر ہر کام کا دارو مدار ہوتا ہے، عقیدے کی درستی بھی حکمت و نور کا وسیلہ ہے۔ ٹیڑھی نیت سے نتائج بھی ٹیڑھے نکلتے ہیں اور انسان کی سوچ بھی ٹیڑھی ہوتی ہے۔ عقیدہ فاسد ہو تو اخلاص مفقود ہو جاتا ہے اس لیے اجتہاد کرنے والا درست نتائج تک نہیں پہنچ سکتا۔